© rasailojaraid.com

بحث ونظر

علامہ ابنِ تیمیہؒ کا منہج اصلاح وتجدید

ڈاکٹر محمود احمد

شیخ الاسلام ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیمؒ (۶۶۱ھ۔ ۷۲۸ھ / ۱۲۶۳ئ۔ ۱۳۲۷ئ)، جو ابنِ تیمیہ کے نام سے معروف ہیں، عظیم مجدّدِ اسلام تھے۔ اُن کو فضل و کمالِ علم کی بنا پر مجتہد اور مجدّد قرار دیا گیا ہے۔ اُنہوں نے ایسی وقیع کتب تصنیف کیں کہ جس کو بھی ان سے اِستفادہ کا موقع ملا وہ اُنہی کا ہو کر رہ گیا۔ اُن کے تقریباً تمام ہم عصر اور متاخر علماء نے ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے اور ان کی وسعتِ علمی کو تسلیم کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی مساعی جمیلہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اُنہوں نے مختلف جہات اور میدانوں میں اصلاح وتجدید کا فریضہ سرانجام دیا ہے اور اپنے معاشرے کی خرابیوں اور برائیوں کا خوب قلع قمع کیا ہے۔ اس مقالے میں ان کی خدماتِ اصلاح و تجدید کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

منہجِ ابنِ تیمیہ کے بنیادی اصول

علامہ ابنِ تیمیہ نے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات، سیاسیات اور مختلف اسلامی علوم میں اصلاحی وتجدیدی کارنامے سرانجام دیے۔ ان کی ساری زندگی اصلاحی وتجدیدی مساعی میں گزری اور اس راستے میں ان کو بہت سی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن وہ ہر مشکل میں چٹان کی طرح ثابت قدم رہے۔ اصلاح وتجدید کے سلسلے میں ان کے یہ کارہائے نمایاں کوئی غیر مرتبط اور اتفاقی کوششیں نہیں تھیں، بلکہ ان کی بنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چند بنیادی اُصولوں پر تھی۔ انھیں اُن کا 'منہج اصلاح وتجدید' کہا جا سکتا ہے، کیوں کہ اُن کی ساری جدوجہد کی بنیاد اور اس کا مرکز ومحور یہی اُصول تھے۔ اُن کی زندگی کا مطالعہ کرنے والا ہر صاحبِ بصیرت اِن اُصولوں کو اُن کی زندگی میں کارفرما دیکھ سکتا ہے۔ ان کا یہ منہج اصلاح وتجدید بنیادی طور پر سلف ہی سے ماخوذ ہے، لیکن ان کے کام میں اس منہج کے تفصیلی خدوخال واضح ہوئے ہیں۔ یہ بنیادی اُصول مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا اُصول: ہدایت اور علمِ یقینی کا واحد ذریعہ۔ وحیِ الٰہی

ابن تیمیہؒ کے منہج کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ انسان کے لیے ہدایت کا واحد قابل اعتماد ذریعہ وحی خداوندی ہے۔ عقائد، معرفت الٰہی، تخلیق کائنات سے واقفیت، نظام عبادات اور اخلاقی نظام کا حصول وحی الٰہی ہی سے ممکن ہے۔ صوفیہ کا کشف ووجد اور فلاسفہ کے عقلی دلائل علمِ یقینی تک نہیں پہنچا سکتے اور نہ معرفت الٰہی کا مستند ذریعہ ہیں۔ اگر انسان اپنے خالق، کائنات اور خود اپنے نفس کی پہچان حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کا واحد قابل اعتماد ذریعہ وہ معلومات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعے بھیجی ہیں۔ آپ نے ان فلاسفہ کا پرزور رد کیا جو محض اپنی عقل کے ذریعے خالق تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، عقلی دلائل کے ذریعے معرفتِ الٰہی کا دعویٰ کرتے ہیں اور عقل کے گھوڑے دوڑا کر نفسِ انسانی کی حقیقت اور تخلیق کائنات کے رازوں کو منکشف کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کے موقف کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

(الف) وحی کو عقل پر ترجیح دی جائے

آپ نے واضح کیا کہ عقلِ انسانی محدود ہے، لہٰذا وہ لامحدود حقائق کو آشکارا نہیں کر سکتی، فانی عقل لازوال خالق کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی، لہٰذا انسان کو ان معاملات میں صرف وحی پر اعتماد کرنا چاہیے اور اسی کو حق اور صواب جاننا چاہیے۔ اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں:

"حق وباطل، ہدایت وضلالت، رُشد وگم راہی، طریق سعادت ونجات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور شقاوت و ہلاکت میں واضح فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو شرائع و کتب دے کر اپنے انبیاء کو مبعوث فرمایا ہے یہ ایسا حق ہے جس کی اتباع واجب ہے۔ اسی سے ہدایت، علم، ایمان اور حق و باطل میں فرق حاصل ہوتا ہے۔''[۱]

ایک دوسری جگہ وحی کی اہمیت وضرورت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہاں مقصود یہ ہے کہ دین کے عقلی و نقلی دونوں پہلو رسول اکرم ﷺ سے ہی لیے جائیں اور آپؐ جو کچھ لے کر آئے ہیں اس کو ادلّہ یقینیہ و براہنیہ کی بنیاد تسلیم کیا جائے، کیوں کہ آپ کے فرمودات کا اجمال و تفصیل سب برحق ہے۔''[۲]

یعنی عقل کو نقل کے تابع بنانا ضروری ہے، عقل کو رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور اس کے احکام کے مطابق کیا جانا از بس ضروری ہے، وحی کو بہر صورت عقل پر فوقیت دی جائے گی اور بلا وجہ دین کو عقل پر نہیں پرکھا جائے گا، کیوں کہ عقل شریعت کو ثابت کرنے کے لیے اصل کا درجہ نہیں رکھتی۔ ثبوت شرع کے سلسلے میں ایک اور جگہ عقل کے عدم کردار کے بارے میں فرماتے ہیں:

''عقل فی نفسہ شریعت کے ثبوت کے لیے اصل کی حیثیت نہیں رکھتی اور نہ اس کو کوئی ایسی صفت بخشتی ہے جو اس کو پہلے سے حاصل نہ تھی۔ اسی طرح وہ اس کو کمال کی صفت بھی نہیں عطا کرتی۔''[۳]

آپ نے وضاحت کی کہ انسان کی ہدایت اور اس کے ایمان کی پختگی کے لیے اسے جتنے علم کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت کے ذریعے اس کو دے دیا ہے اور فلاسفہ جن مسائل پر طبع آزمائی کرتے ہیں وہ قرآن میں تفصیل سے بیان کر دیے گئے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''تمام قسم کے کلامی وفلسفیانہ مسائل، جن میں متاخر متکلمین نے غور وخوض کیا ہے وہ سب بہ وضاحت قرآن مجید میں موجود ہیں''[۴]

(ب) محض عقل کے ذریعے حقائق تک رسائی ممکن نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کا موقف یہ تھا کہ وحی سے ہٹ کر محض عقل کے سہارے حقائق تک رسائی کی کوششیں کرنے والے حقائق سے جاہل ہی رہتے ہیں۔ فلاسفہ وحی کے علاوہ جن چیزوں تک رسائی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ در اصل جہالت اور قصورِ فہم ہے۔ الٰہیات میں فلاسفہ کی کم مائیگی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فلسفہ سے اشتغال کرنے والے فن طبیعیات میں غور وفکر اور تفصیل سے کام لیتے ہیں۔ اس میدان میں وہ ممتاز نظر آتے ہیں، لیکن الٰہیات میں وہ جاہل محض اور حق سے بالکل نا آشنا ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ارسطو سے جو کچھ منقول ہے اس کی مقدار بہت کم ہے، لیکن اس میں غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔"۵؎

اسی طرح سورۂ اخلاص کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک اللہ تعالیٰ کی معرفت کا تعلق ہے اس کے بارے میں فلاسفہ بڑے محروم اور نامراد نظر آتے ہیں۔ رہے ملائکہ، اللہ کی کتابیں اور اس کے رسول تو ان کے بارے میں ان کو قطعاً علم نہیں ہے اور اس سلسلے میں ان سے نفیاً اور اثباتاً کوئی چیز منقول نہیں ہے۔"۶؎

اس سلسلے میں وہ خصوصاً ارسطو کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ الٰہیات سے بالکل نابلد تھا، کیوں کہ وہ وحی کی دولت سے محروم تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"الٰہیات کے بارے میں جب معلّم اول ارسطو کے کلام پر نظر ڈالی جاتی ہے اور ایک پڑھا لکھا آدمی اس کو غور سے دیکھتا ہے تو وہ لازماً اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ان فلاسفۂ یونان سے بڑھ کر رب العالمین کی معرفت سے کوئی بے بہرہ اور نا آشنا نہیں تھا۔"۷؎

فلاسفہ کا علم چوں کہ ظن وتخمین پر مبنی ہے اور وہ وحی الٰہی سے بالکل رہ نمائی نہیں لیتے، لہٰذا وحی کی معرفت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے علوم عقلیہ بھی یقینی وقطعی نہیں ہیں، بلکہ اصل علوم عقلیہ، جن کا تعلق معرفت الٰہی اور انسان کی کامیابی سے ہے، فلاسفہ ان سے بالکل محروم ہیں۔ آپ نے ثابت کیا کہ فلسفہ کی جدلیات انسان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت سے آشنا نہیں کرسکتیں۔

(ج) محض عقل سے عقائد ثابت کرنا غلط ہے

آپ نے فلاسفہ کے ساتھ ان متکلمین کا بھی رد کیا جو طریقۂ سلف سے ہٹ کر محض عقلی دلائل سے اسلامی عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ آپ کے نزدیک علم کلام، جس میں عقل کے ذریعے عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ انسان کو یقین کی دولت عطا نہیں کرسکتا، بلکہ اسے متذبذب بنا دیتا ہے، لہٰذا علم کلام کو چھوڑ کر صرف وحیِ الٰہی کو اثباتِ عقائد کا ذریعہ ماننا چاہیے۔ لکھتے ہیں:

> ''ان متکلمین کا کلام خلق وبعث، مبدأ ومعاد اور صانع کے اثبات میں نہ عقلی طور پر تحقیق اور تشفی بخش ہے نہ نقلی طور پر۔ ان کو خود بھی اس کا اعتراف ہے۔ امام رازیؒ نے آخرِ عمر میں کھلے طریقہ پر اعتراف کیا ہے کہ میں نے کلامی طریقوں اور فلسفیانہ مناہج پر بہت غور کیا، آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان سے نہ کسی بیمار کو شفا ہوتی ہے، نہ کسی پیاسے کی پیاس بجھتی ہے۔ میں نے سب سے قریب تر راستہ قرآن کا پایا ہے۔ جو شخص میری طرح تجربہ کرے گا، وہ میری ہی طرح اس نتیجے پر پہنچے گا۔ غزالیؒ اور ابن عقیلؒ نے بھی اسی سے ملتی جلتی باتیں کہی ہیں اور یہی حقیقت ہے۔'' ۸؎

غور طلب بات یہ ہے کہ علم الکلام کے ماہرین، مثلاً امام رازیؒ، امام غزالیؒ اور ابن عقیلؒ وغیرہ نے خوب تحقیق اور مطالعہ کے بعد علم الکلام کو غیر تسلی بخش اور عقلی ونقلی اعتبار سے کم زور علم کہا ہے اور امام ابنِ تیمیہؒ کے نزدیک بھی یہ کوئی فائدہ مند علم نہیں ہے، بلکہ اس سے ظن وگمان بڑھتا ہے اور اس کو پڑھنے والے ایسے اشخاص جو وحی سے متعلق زیادہ نہ جانتے ہوں، وہ اس کا مطالعہ کرکے عقیدہ میں مزید کم زور ہو جاتے ہیں اور تذبذب وتزلزل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ علمِ کلام کے نقصانات سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جب یہ متکلمین نبوت کے بارے میں بحث کرتے ہیں تو اس پر ایسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> سوالات وارد کرتے ہیں جو بڑے قوی اور عام فہم ہوتے ہیں، لیکن جب جواب دینے پر آتے ہیں تو ان کے جوابات کم زور نظر آتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو شخص ان کتابوں سے علم، ایمان اور ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہی اسلام کے حامی اور اس کے وکیل اور مناظر ہیں اور انھوں نے ہی اس کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کا بیڑہ اُٹھایا ہے، پھر اس کو ان کی کتابوں میں نبوت کے اثبات میں تشفی بخش دلائل نہیں ملتے تو اس کے عقیدہ میں کچھ تذبذب اور تزلزل پیدا ہو جاتا ہے۔۹ے

الغرض ان کے نزدیک عقائد کے اثبات، معرفت الٰہی کے حصول اور علم یقینی تک رسائی کے لیے صرف اور صرف قرآن وحدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا، کیوں کہ یہی ایک مستند ذریعہ ہے جس سے ہم حقیقت تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے بھی راستے ہیں وہ غیر مستند اور حقائق سے دور لے جانے والے ہیں۔

ابن تیمیہؒ نے ان لوگوں کا بھی رد کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کا اسلوبِ بیان مدلّل نہیں ہے، لہٰذا علم کلام یا فلسفہ کے اصولوں کے ذریعے وجود صانع، نبوت اور معاد وغیرہ کا اثبات کرنا چاہیے۔ انھوں نے اس فکر کا مدلل رد کیا اور قرآن کے اسلوب کی برتری کو ثابت کیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> ’’اہل کلام و فلسفہ نے مطالبِ الٰہیہ پر جو عقلی دلائل قائم کیے ہیں ان کے مقابلے میں قرآن مجید کے دلائل کہیں زیادہ مکمل اور بلیغ ہیں۔ ساتھ ہی وہ ان بڑے مغالطوں سے بھی پاک وصاف ہے جو ان فلاسفہ و متکلمین کے دلائل میں پائے جاتے ہیں۔‘‘۱۱ے

(د) عقل اور وحی کا معتدل امتزاج

اسی طرح ابن تیمیہؒ نے پر زور انداز میں وحی کے مستند ہونے کو ثابت کیا اور اس بات کو واضح کیا کہ عقائد صرف وحی الٰہی ہی سے حاصل کرنے چاہییں، کیوں کہ وحی و نبوت ہی علم کا مستند ذریعہ ہے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے عقل کو کلیتاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے کار چیز قرار نہیں دیا، البتہ وہ عقل کو اس کے دائرہ میں رکھ کر استعمال کرنے کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک عقل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے وحی اور عقل کے درمیان مطابقت پیدا کی۔ اس موضوع پر ان کی کتاب 'موافقۃ صحیح المنقول لصریح المعقول' ایک شاہ کار تصنیف ہے۔ اس میں اُن کا دعویٰ ہے کہ عقل سلیم اور وحی الٰہی میں کبھی تناقض نہیں ہوسکتا۔ فرماتے ہیں:

> ''صحیح و واضح عقلی دلائل، جن میں کوئی شک نہیں ہے، بلکہ یقینی فطری علوم، سب کے سب انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی خبروں کے موافق ہیں، مخالف نہیں ہیں اور صحیح عقلی دلائل تمام تر نقل و روایت (سمع) کے مطابق ہیں، ذرا بھی اس کے خلاف نہیں۔''[۱۱]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> ''منقول صحیح کا کبھی معقول صریح معارض نہیں ہوتا۔ میں نے اختلافی مسائل میں بھی اس اُصول کی تحقیق کی تو یہی پایا کہ صحیح وصریح نصوص کے خلاف جو کچھ بھی پیش کیا جاتا ہے وہ محض فاسد شبہات ہوتے ہیں، جن کا بطلان عقل سے ثابت ہوتا ہے، بلکہ عقل سے ان شبہات کے بالکل خلاف اور شرع کے بالکل موافق ثابت ہوتا ہے۔''[۱۲]

ان کا موقف یہ بھی ہے کہ اگر کبھی عقل ونقل میں تعارض نظر آئے تو نقل کو عقل پر فوقیت دی جائے گی، کیوں کہ یہی مستند ترین ہے۔

دوسرا اُصول: قرآن وحدیث کی اتباع ہی اصل دین ہے

ابن تیمیہؒ کے منہج اصلاح وتجدید کا دوسرا بنیادی اصول قرآن وسنت کی برتری ہے۔ ان کے نزدیک قرآن وسنت ہی اصل اسلام ہے، باقی چیزوں کی حیثیت ثانوی ہے اور وہ قرآن وحدیث ہی سے ماخوذ ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کے موقف کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

(الف) تقلید کی بجائے رجوع الی القرآن والسنۃ

آپ نے بھرپور انداز میں رجوع الی القرآن والسنۃ کی دعوت دی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واضح کیا کہ ان کے مقابلے میں کسی کی تقلید پر جمے رہنا یا اپنے رسم و رواج کی پیروی کرنا ضلالت و گمراہی ہے۔ آپ کا نظریہ تھا کہ بچہ جب بلوغت اور شعور کی عمر کو پہنچے تو اسے چاہیے کہ آباء و اجداد کے طور طریقوں اور رسوم کو چھوڑ کر سنتِ نبوی کو اپنائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو مستحقِ عذاب ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''جو شخص اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کے بجائے اپنی اور اپنے والدین کی عادات اور اپنی قوم کے رسم و رواج کی پابندی کرے گا تو وہ ان ہی اہل جاہلیت میں سے ہوگا جو وعیدِ خداوندی کے مستحق ہیں۔ اسی طرح جس کے لیے کسی مسئلہ میں وہ صحیح راستہ اور حکم شرعی واضح ہو گیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا ہے، پھر اس نے اس کو قبول نہیں کیا اور اپنی عادت کی طرف رجوع کیا وہ قابلِ مذمت اور مستحقِ عذاب ہے۔ البتہ جس کو اللہ اور اس کے رسول کا حکم معلوم نہ ہو اور وہ کسی اہل علم کی طرف رجوع کرے اور اس میں از خود کسی کے قول کو کسی پر ترجیح دینے کی علمی بصیرت نہ ہو تو ایسا شخص قابلِ تعریف اور مستحق ثواب ہے، نہ کہ قابلِ مذمت اور مستحقِ عذاب۔ ۱۳؎

آپ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اگر کوئی دین کو اس کی اصل شکل میں سمجھنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ تقلیدی بندشوں کو توڑ کر قرآن و سنت کے چشمۂ صافی سے فیضان حاصل کرے۔ فقہ و عقائد ہر قسم کے معاملات میں آخری اور حتمی حیثیت (Authority) قرآن و حدیث ہی کو حاصل ہے۔ ان سے ہٹ کر فقہ میں قیاس کا بے جا استعمال اور عقائد میں عقلی جدلیات سرے سے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں کہ حدیث کے مقابلے میں اقوال الرجال پر عمل پیرا ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''حج تمتع کے متعلق کچھ لوگوں نے حضرت ابن عباس سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال پیش کیے۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ''ڈر ہے کہ تم لوگوں پر آسمان سے پتھر برسنے لگیں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> تم کہتے ہو کہ ابوبکرؓ وعمرؓ نے یہ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے حج تمتع کے متعلق لوگوں نے دریافت کیا تو انھوں نے اس کا حکم دیا۔ لوگوں نے اس کے مقابلہ میں (ان کے باپ) حضرت عمر بن خطابؓ کا قول پیش کیا تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: تمھاری اتباع کا زیادہ حق دار حکمِ رسول ہے یا حکمِ عمر؟''۱۴؎

غور طلب بات ہے کہ صحابہ کرام کسی بھی افضل سے افضل صحابی کی بات کو رسول اکرم ﷺ کی بات پر ترجیح دینا کس قدر برا سمجھتے تھے اور ایسا کرنے کو عذاب الٰہی کا پیش خیمہ قرار دیتے تھے۔ وہ ہر بات رسول اکرمؐ سے لیتے اور آپ کے حکم ہی کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل تھا، بلکہ ائمہ وفقہا کا بھی یہی طرز عمل تھا۔امام ابنِ تیمیہؒ اِس سلسلے میں ائمہ کے اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''امام ابوحنیفہؒ کے شاگردِ رشید امام ابو یوسفؒ بعض مسائل میں اپنے استاذ کے ہم نوا تھے، لیکن حج کے موقعہ پر جب امام مالکؒ سے ان کو سنت کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اپنے استاذ کے مسلک سے رجوع کرلیا اور امام مالکؒ سے کہا: ''ابوعبداللہ! میں نے آپ کے قول کو اختیار کرلیا۔ اگر میرے استاذ ہوتے تو وہ بھی میری طرح اپنے قول سے رجوع کر لیتے!''۔ امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے: ''میں ایک بشر ہوں، میری بات صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی۔ پس میرے قول کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے پرکھ لو۔'' امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: ''اگر میرے قول کے مقابلے میں صحیح حدیث مل جائے تو میرے قول کو بے تامل دیوار پر دے مارو۔'' امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے: ''میری، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ثوریؒ کی تقلید نہ کرو، بلکہ (دین) سیکھو جیسے ہم نے سیکھا ہے۔ دین کے معاملہ میں رجال کی پیروی نہ کرو۔ ان سے بھی غلطی سرزد ہوسکتی ہے۔ پس جس نے صحیح حدیث ترک کردی اور رجال کا قول لے لیا، اس نے وہ چیز ترک کردی جس میں غلطی کا احتمال ہی نہیں اور وہ چیز لے لی جو غلط ہوسکتی ہے۔''۱۵؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ب) تقلید شخصی کی بجائے اتباع رسول ﷺ کی دعوت

عہد ابن تیمیہ میں تقلید اور فکری جمود عام تھا۔ لوگوں نے متعین مسلک کی پابندی کو واجب قرار دے دیا تھا، جس سے تعصب اور جہالت عام ہوگئی تھی۔ لوگوں نے قرآن وحدیث کی تعلیم کو چھوڑ کر مسالک کے شیوخ کی آراء کو دین کا درجہ قرار دے دیا تھا۔ ان حالات میں انھوں نے اس تقلیدی روش کا بھرپور رد کیا۔ آپ نے واضح کیا کہ مسلمان کے لیے کسی بھی متعین مسلک کی پابندی ضروری نہیں۔ ہر مسلک کی غلط باتوں کو چھوڑا جائے گا اور درست فتاویٰ کو قبول کیا جائے گا۔ آپ نے تقلید شخصی کا مدلل رد کیا اور فرمایا کہ صرف اللہ کے رسول ہی کی وہ ہستی ہے جس کی غیر مشروط اطاعت اور تقلید کی جائے گی۔ فرماتے ہیں:

> ”جب کسی مسلمان کو کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اس کو چاہیے کہ ایسے شخص سے فتویٰ پوچھے جس کے متعلق وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی شریعت کے مطابق فتویٰ دیتا ہے، چاہے وہ شخص کسی بھی مسلک کا ہو۔ کسی مسلمان پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ کسی عالم کی ہر بات میں اس کی تقلید کرے۔ اسی طرح کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی متعین شخص کے مسلک کو اپنے لیے لازم کر لے اور ہر بات میں اس کے قول اور عمل کو اپنے لیے واجب قرار دے، بلکہ ہر شخص کا قول لیا بھی جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے، سوائے رسول اللہ ﷺ کے کہ آپ کا ہر فرمان واجب العمل ہے۔“[۱۶]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابنِ تیمیہؒ کے نزدیک ہر شخص کسی سے مسئلہ پوچھنے سے پہلے یہ یقین کرلے کہ وہ جس عالم سے مسئلہ پوچھ رہا ہے وہ قرآن وحدیث کے مطابق فتویٰ دیتا ہے، بلکہ سائل کو مسئلہ پوچھتے وقت عالم سے یہ بھی تقاضا کرنا چاہیے کہ وہ قرآن وسنت کے مطابق ہی اس کو جواب دے۔

ابن تیمیہؒ کے نزدیک کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ صرف کسی خاص فقہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلک کی پیروی کرے، بلکہ اصل مدعا تو اطاعتِ رسول ﷺ ہے۔ قولِ رسول ﷺ کے مقابلے میں ہر کسی کا قول ترک کیا جا سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اگر کوئی آدمی ابو حنیفہ، مالک، شافعی یا احمد رحمہم اللہ کا پیرو ہو اور یہ دیکھتا ہو کہ بعض مسائل میں دوسرے کا مذہب زیادہ قوی ہے تو اس کے لیے اس کی پیروی کرنا بہتر ہوگا۔ ایسا کرنے سے اس کے دین یا اس کی معتبریت میں کوئی نقص نہ ہوگا۔ اس میں کسی کا کوئی جھگڑا نہیں ہے، بلکہ حق کے لحاظ سے یہی زیادہ بہتر ہے اور اللہ اور اس کے رسول کو یہی زیادہ محبوب ہے، اس شخص کی بہ نسبت جو نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور شخص مثلاً مالک یا شافعی یا احمد یا ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے لیے تعصب برتے اور یہ سمجھے کہ اس امام ہی کا قول ٹھیک ہے اور دوسرے امام کے قول کو چھوڑ کر صرف اسی کا اتباع کرنا لازم ہے، پس جو بھی ایسا سمجھتا ہے وہ جاہل اور گم راہ ہے، بلکہ بسا اوقات وہ کافر ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ جب وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ لوگوں کے لیے ان ائمہ میں سے کسی ایک امام کی پیروی واجب ہے، دوسرے کی پیروی ان کے لیے جائز نہیں ہے تو اس سے توبہ کروانی چاہیے۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔"[۱۸]

یعنی ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فقہی دائرے میں بند ہونے کے بجائے وسعتِ نظری سے کام لے۔ اگر اس کے امام کے قول کی بجائے کسی دوسرے شخص (جو کسی دوسرے فقہی مذہب سے تعلق رکھتا ہے) کا قول، سنت رسولؐ کے مطابق اور اس کے زیادہ قریب ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے فقہی امام کے بجائے دوسرے امام کے قول پر عمل کرے، کیوں کہ اس سے اتباعِ رسولؐ کا جذبہ پیدا ہوگا اور بے جا تعصب کا خاتمہ ہوگا۔

(ج) تقلید و اجتہاد کے مابین نقطۂ اعتدال

تاہم امام ابنِ تیمیہؒ نے فقہی احکام کے استنباط میں عقل کے کردار کو کلیتاً رد نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اعتدال پر مبنی عقل و نقل کے امتزاج سے فقہی مسائل اخذ کرنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایت کو فروغ دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے عقل اور وحی کے درمیان توافق کی طرح تقلید و اجتہاد کے درمیان بھی نقطۂ اعتدال کو برقرار رکھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ ہر شخص اپنے علم اور فکری استعداد کے مطابق اتباعِ نصوص کا پابند ہے۔ انہوں نے معاشرے کے افراد اور علماء کو مختلف درجہ بندیوں میں تقسیم کیا اور وضاحت کی کہ ہر درجہ کے لوگوں پر کس قدر تحقیق اور تحصیلِ علم واجب ہے۔ وہ تقلیدِ شخصی اور مذہبِ معین کی پابندی کو درست نہیں سمجھتے تھے، لیکن انہوں نے عوام الناس اور علم وفکر سے بے بہرہ لوگوں کو ہر مسئلہ کی تحقیق کا پابند نہیں بنایا، بلکہ ان کو نصیحت کی کہ وہ کسی بھی معتبر عالم دین سے مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیں، تاہم مجتہدین کے لیے وہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ تحقیق کریں اور اس قول کو اختیار کریں جو قرآن وحدیث کے زیادہ قریب ہو۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''جو شخص استدلال پر قدرت رکھتا ہو اس کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ اس کے لیے تقلید مطلقاً حرام ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ ضرورت کے وقت جائز ہے، مثلاً وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ وہ براہ راست تحقیق کر سکے اور دلیل سے مسئلہ نکال سکے۔ یہی قول زیادہ قرینِ انصاف وصواب ہے۔''۱۸؎

البتہ جس شخص کو اجتہادِ تام پر قدرت حاصل ہو اس کے لیے ان کا فیصلہ ہے کہ اگر اس کو کسی جانب نصوص نظر آئیں اور ان کا مقابلہ کرنے اور ان کو دفع کرنے والی کوئی وجہ نہ ہو تو اس کے لیے نصوص کی پیروی لازم ہے، فرماتے ہیں:

> ''البتہ اگر اس کو ایسے اجتہاد تام پر قدرت حاصل ہے کہ اس کو یقین ہو جائے کہ فلاں مسئلہ کی کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے نص کو دفع کیا جا سکے تو اس پر نصوص کی پیروی واجب ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا (اور مخالفِ نص قیاس یا تقلید پر قائم رہے گا تو وہ گمان اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والا ٹھہرے گا اور اللہ ورسول ﷺ کا بڑا نافرمان قرار پائے گا۔''۱۹؎

ایک عالم جسے اجتہاد پر قدرت حاصل ہے اور وہ براہ راست رسول اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ﷺ کے طریقے سے مسئلہ مستنبط کر سکتا ہے ،اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اگر وہ اجتہاد کے بجائے محض تقلید کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جو صلاحیت دے رکھی ہے اس کو استعمال نہیں کرتا تو وہ کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے، کیوں کہ دوسرے کی سمجھ کے مطابق مسئلہ اخذ کرنے پر اکتفا کرنے سے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت وبصیرت کو استعمال نہ کرکے اور اسے ضائع کرکے اللہ کی ناشکری کر رہا ہے، لہٰذا وہ نافرمانی اور گناہ کا مرتکب ہوا۔لیکن ایک ایسا شخص جسے عالمانہ بصیرت حاصل نہیں ،وہ کسی معتبر عالم دین سے مسئلہ پوچھے گا ، کیوں کہ علمائِ سنتِ رسول کی طرف رہ نمائی کرتے ہیں اور قولِ رسول تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔

اس موضوع پر ابن تیمیہؒ نے مندرجہ ذیل کتب ورسائل تصنیف کیے ہیں:

(۱)۔ قاعدۃ فی الاجتھاد والتقلید (۲)۔قاعدۃ فی تقلید مذھب معین ،ھل یجب علی العامی ام لا؟(۳)۔قاعدۃ جلیلۃ فی وجوب الاعتصام بالرسالۃ۔(۴)۔جواب فی ترک التقلیدفی من یقول مذھبی مذھب النبی ولست انا محتاج الی تقلید المذاھب الاربعۃ۔

تیسرا اُصول: دین کی اصل پر قائم رہنا ہی کامیابی کی ضمانت ہے

ابن تیمیہؒ کے منہج اصلاح وتجدید کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ دین کی اصل پر قائم رہا جائے۔ اپنی طرف سے خواہ مخواہ دین میں اضافہ کرنا نہایت قابل مذمت ہے۔ دین کی روح کو برقرار رکھنا اور اس کی طبعی سادگی پر عمل پیرا ہونا ہی باعثِ نجات ہے۔ آپ کے منہج کا یہ اصول فکر سے زیادہ عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی اصول کے تحت انھوں نے رائج الوقت بدعات کے خلاف قلمی جہاد کیا۔

آپ کا منہج یہ تھا کہ دین کو ہر قسم کی آلائشوں اور اضافوں سے پاک صاف کرکے اس کی اصل حالت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔اس سلسلہ میں آپ نے درج ذیل کارنامے سرانجام دیے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الف) غیر اسلامی تصوف کا رد

آپ نے متصوفانہ سلسلوں کا تنقیدی جائزہ لیا اور صوفیہ میں جو چیزیں قرآن وسنت سے متصادم نظر آئیں ان کا بھر پور رد کیا۔ حلول، اتحاد اور وحدت الوجود جیسے خلافِ شرع نظریات کو باطل قرار دیا۔ اسی طرح اپنے شیخ کی مبالغہ آمیز تقدیس کی بھی مذمت کی۔ صحیح تصوف و اخلاق کو اجاگر کرنے اور تصوف میں شامل غیر شرعی امور کا رد کرنے کے لیے آپ نے تقریباً اسّی (۸۰) کتب و رسائل تصنیف کیے۔ کئی کتابیں صرف ابنِ عربی کے نظریۂ وحدۃ الوجود کے رد میں لکھیں، جن میں سے چند مشہور درج ذیل ہیں:

۱۔ رسالۃ فی ابطال وحدۃ الوجود

۲۔ الرد الأقوم علی مافی فصوص الحکم

۳۔ حقیقۃ مذھب الاتحادیین أو وحدۃ الوجود

۴۔ مؤلف فی الرد علی ابن عربی وغیرھا

(ب) شرک و بدعت کی مذمت

عہدِ ابنِ تیمیہ میں عوام میں عبادات اور زیارتِ قبور کے سلسلے میں بہت سی بدعات اور شرکیہ اُمور عام تھے۔ بہت سے عقائد اور رسم و رواج ایسے تھے جو صریحاً قرآن و حدیث کے خلاف تھے۔ قبر پرستی عام تھی۔ پیروں فقیروں کو خدائی درجہ حاصل تھا۔ غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز عام تھی اور وسیلہ دین کا حصہ بن چکا تھا۔ مسجدیں ویران تھیں، لیکن مشاہدات و مزارات با رونق تھے۔ بعض لوگ تو مزارات کی حاضری کو حج سے بھی زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اس طرح عوام اصل دین سے دور ہو کر بدعات و خرافات میں کھو گئے تھے۔ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب 'الرد علی البکری' میں تفصیل سے ان حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے دین کو ہر قسم کے شرک و بدعت سے پاک کرنے کا بیڑا اٹھایا اور پورے زور و شور سے ان امور کی مخالفت کی جو شرک و بدعت کا موجب بنتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے بہت سے امور سے مسلمانوں کو بچنے کی تلقین کی ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ج) غیر اللہ سے استغاثہ کی ممانعت

آپ نے غیر اللہ سے استغاثہ سے ممانعت کی اور لوگوں کو غیر اللہ سے اپنی مرادیں مانگنے سے منع کیا۔ استغاثہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور ان کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد یقینی اور بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنی اُمت کو کسی فوت شدہ پیغمبر یا صالح آدمی سے دعا کرنے کی اجازت نہیں دی، نہ استغاثہ کے طور پر، نہ استعاذہ کے طور پر۔ اسی طرح آپؐ کی اُمت کے لیے کسی مردہ یا زندہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔ اس طرح کے وہ اعمال جو عبادات میں شامل ہیں، ہم کو خوب معلوم ہے کہ آپؐ نے ان تمام اُمور سے منع فرمایا ہے اور یہ سب اس شرک میں داخل ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔''[۲۰]

(د) غیر اللہ کے وسیلہ کی ممانعت

ابن تیمیہؒ نے وسیلے کی بھی پرزور مذمت کی اور اسے شرک قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

''اگر کسی شخص کا یہ خیال ہے کہ یہ بزرگانِ دین اور ائمہ وعلماء اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان اسی طرح سے واسطہ ہیں جیسے بادشاہ اور رعیت کے درمیان دربان ہوتے ہیں کہ یہی خدا تک اس کی مخلوق کی ضرورتیں پہنچاتے ہیں اور اللہ ان ہی کے توسط سے اپنے بندوں کو ہدایت اور رزق عطا فرماتا ہے، مخلوق ان سے سوال کرتی ہے اور وہ خدا سے سوال کرتے ہیں، جیسے بادشاہوں کے دربان رعایا کی ضرورتیں ان سے طلب کرتے ہیں، وہ براہ راست بادشاہ سے سوال کرنا بے ادبی سمجھتے ہیں، وہ ان دربانوں سے سوال کرتے ہیں، اس لیے کہ ان سے طلب کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے، کیوں کہ وہ بادشاہ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ جو شخص اس نوعیت کے واسطوں کا قائل ہے اور اس معنیٰ میں بزرگانِ دین اور علماء وصلحاء کو واسطہ مانتا ہے، وہ کافر ومشرک ہے، اس سے توبہ کرانی واجب ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کرلے تو اسے قتل کردیا جائے گا۔ یہ لوگ درحقیقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشبیہ میں گرفتار ہیں، کیوں کہ انہوں نے مخلوق کو خالق کے مشابہ سمجھ رکھا ہے اور اللہ کے ہم سر اور نظیر ٹھہرا رکھے ہیں۔''۲۱؎

(د) قبر پرستی کا رد

آپ نے قبر پرستی کو شرک و بدعت قرار دیا اور واضح کیا کہ قرون اولیٰ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ فرماتے ہیں:

''قبروں کی طرف سفر کر کے جانے والوں اور ان کو عبادت گاہ، مسجد گاہ اور میلہ کی جگہ بنانے والوں کا صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں سراغ نہیں ملتا۔ اسلام میں نہ کوئی ایسی قبر اور مقام تھا جس کی طرف سفر کر کے جایا جائے۔ یہ تین صدیوں کے بعد کی پیداوار ہے۔ بدعت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس میں جس قدر رسول ﷺ کی مخالفت ہوتی ہے، اسی قدر دیر میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ شروع میں وہ بدعات ظاہر ہوتی ہیں جن کی مخالفت اتنی واضح اور جلی نہیں ہوتی۔''۲۲؎

الغرض انہوں نے بزرگوں کی تقدیس کے نام پر عوام میں در آنے والی گم راہیوں کا رد کر کے اسلام کی واضح اور خالص تصویر لوگوں کے سامنے پیش کی اور ان کو منہج سلف کی طرف بلایا، کیوں کہ وہی قرآن وسنت سے قریب تر اور ہر قسم کی اضافی آلائشوں سے پاک طریقۂ زندگی ہے۔

اس سلسلے میں ابن تیمیہؒ نے اس پہلو پر بھی زور دیا کہ اسلام اور اسلامی تہذیب کی انفرادیت کو برقرار رکھا جائے، دیگر اقوام کی مشابہت سے اجتناب کیا جائے اور جو چیزیں مسلمانوں نے غیر مسلم اقوام سے مستعار لے کر اپنی زندگی میں شامل کر لی ہیں ان کو ختم کیا جائے۔ اس موضوع پر انہوں نے '**اقتضاء الصراط المستقیم**' تصنیف کی، جس میں اسلامی طرز معاشرت پر زور دیا۔ اس موضوع پر ان کی ایک دوسری تصنیف '**قاعدۃ فی النھی عن اعیاد النصاری**' ہے۔

ابن تیمیہؒ کی پوری جدو جہد اس بات پر تھی کہ دین کی اصل ہیئت کو برقرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھا جائے اور اس میں کسی بھی قسم کے اضافے کا رد کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ساری زندگی بدعات اور غیر اسلامی رسم و رواج کے خلاف برسر پیکار رہے۔ شیخ ابوزہرہؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''امام صاحب کے حلقۂ درس کی شان بھی عجیب تھی۔ مختلف علوم وفنون زیر درس رہتے، لیکن ان سب کی روح ایک تھی، مقصد ایک تھا، یہ کہ وہ اسلام نمایاں ہو اور ابھرے جو صدر اول کا اسلام تھا، جس پر قرن اوّل میں صحابہ کرام عامل تھے، ہر قسم کے گرد وغبار سے پاک اور صاف، طیب وطاہر، جس میں نہ بدعت کی گنجائش تھی نہ افکار غریب وعجیب کی۔ آپ جس راستے پر چل رہے تھے وہ یہ تھا کہ عقائد میں، اُصول میں، فروع میں، عہد صحابہ کا اسلام زندہ ہو۔''۲۳؎

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ کے دل و دماغ پر صرف ایک ہی چیز چھائی ہوئی تھی۔ وہ تھی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ، نیز اقوال صحابہ و تابعین، ان کے فیصلے اور ان کے فتاویٰ۔ بنا بریں جب ان کو ایسے خیالات، نظریات اور آراء اپنے سامنے دیکھنے میں آئیں جو سنت رسول ﷺ کے خلاف تھیں، بس فوراً ڈنکے کی چوٹ پر امر رب کا اعلان کیا۔ احیاء سنت کی تبلیغ اور اتباعِ آثار سلف کی ترغیب کا شروع کرنا تھا کہ آپ سے مقابلہ کی ٹھان لی گئی، یعنی مشائخ کی تقلید اور صرف حق ہی کے اتباع کے مابین معرکہ آرائیاں شروع ہوگئیں۔''۲۴؎

چوتھا اُصول: خارجی و داخلی حملوں سے اسلام کا دفاع

امام ابنِ تیمیہؒ کے منہج کا ایک اہم اُصول یہ تھا کہ اسلام کو خارجی اور داخلی حملوں سے بچایا جائے اور اس کا مکمل دفاع کیا جائے۔ جس طرح عملی طور پر عہدِ ابنِ تیمیہ کے لوگوں نے دین میں بہت سے اضافے کر لیے تھے اسی طرح فکری طور پر بھی اس دور میں بہت سے فتنے رونما تھے۔ مختلف فرقوں نے ایسے ایسے نظریات پھیلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھے تھے کہ اسلامی تعلیمات مسخ ہو کر رہ گئی تھیں۔ دوسری طرف غیر مسلموں نے مختلف اعتراضات کر کے مسلمانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ابن تیمیہؒ نے جو اصلاحی وتجدیدی کارنامہ سرانجام دیا اس کے پیچھے یہ فکر کارفرما تھی کہ اسلام کو ہر قسم کے داخلی وخارجی انحرافات سے بچایا جائے اور اس کی صاف وشفاف تعلیمات کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک طرف مسلمانوں میں پیدا ہونے والے داخلی انحرافات کی سرکوبی کی تو دوسری طرف غیر مسلموں کی طرف سے اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات دیے۔ اس سلسلے میں ان کے کارہائے نمایاں درج ذیل ہیں:

(الف) فرقِ باطلہ کارد

ابن تیمیہؒ نے معتزلہ، اشاعرہ، رافضیہ، باطنیہ، حلولیہ اور دیگر فرقوں کا رد کیا، جنہوں نے اسلامی تعلیمات کے چاند کو گہنا دیا تھا۔ آپ نے ان کے افکار ونظریات کا مدلل رد لکھا اور مسلمانوں کو باور کروایا کہ اسلام کے نام پر جو چیز یہ لوگ پیش کر رہے ہیں وہ اسلام نہیں، بلکہ اس سے روگردانی اور گمراہی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کئی کتب تصنیف کیں، لیکن ان کا خاص کارنامہ شیعیت کے رد میں ان کی تصنیف '**منهاج السنة النبوية**' ہے۔

اس کتاب کی تصنیف کا محرک یہ تھا کہ ایک شیعہ عالم حسن بن یوسف بن علی بن المطہر الحلی نے ایک ضخیم کتاب '**منهاج الكرامة فى معرفة الامامة**' تصنیف کی تھی۔ اس میں اثباتِ شیعیت کی بھرپور کوشش کی تھی اور خلفائے راشدین میں سے حضرات ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم پر زبانِ طعن دراز کی اور دیگر صحابہ کو 'شرار خلق' اور 'ارذل مخلوقات' کہا تھا۔ امام ابنِ تیمیہؒ نے اِس کتاب میں اِن شیعی عقائد کا بھرپور رد کیا۔ صحابہ کے فضائل ومناقب، خلفائے راشدین کی خلافت کا اثبات اور شیعوں کی بے انصافی اور تعصب کو بڑی تفصیل سے بیان کیا اور لکھا کہ شیعوں کی یہ عادت ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ صحابہ پر طعن کرتے ہیں اور یہود ونصاریٰ سے محبت والفت رکھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''روافض کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر ہمیشہ یہود ونصاریٰ اورمشرکین کا ساتھ دیتے ہیں اور انہی کی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ ان لوگوں سے بڑھ کر کون گم راہ ہوگا جو مہاجرین وانصار میں سابقین اولین سے عداوت رکھیں اور منافقین وکفار سے دوستی کریں۔'' ۲۵؎

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا اور خدا بنایا، دوسری طرف ان کی صلیب کے واقعہ کی ایسی تصویر کھینچی کہ وہ ایک بے بس ومجبور انسان نظر آتے ہیں، جو ہر طرح کی توہین وتذلیل اور تمسخر واستہزا کا نشانہ وتختۂ مشق بنتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ حضرات نے ایک طرف حضرت علیؓ کے لیے وہ صفات اور قوتیں ثابت کیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پایہ آں حضرت ﷺ سے بھی کچھ بلند تھا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو اسلام کو فروغ نہ ہوتا، ان کے پنجۂ خیبر شکن اور ذوالفقار آب دار سے اسلام کی فتح ہوئی اور کفر سرنگوں ہوا۔ دوسری طرف خلفائے ثلاثہ کی خلافت میں ان کو ایسا مجبور وبے بس ثابت دکھایا ہے کہ وہ سب کچھ اپنے ضمیر وعقیدہ کے خلاف دیکھتے اور ان کی اور ان کے اہل بیت کی ہر طرح توہین وتذلیل ہوتی ،لیکن وہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ یہ صریح تناقض اور تضاد ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''یہ شیعہ جمع بین النقیضیں کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ حضرت علیؓ کو قوت وشجاعت میں سب سے کامل اور بڑھا ہوا بتاتے ہیں، یہاں تک کہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ہی دین کو قائم کیا اور خود رسول اللہ ﷺ ان کے محتاج تھے اور ان کو اقامتِ دین میں اللہ کا شریک بتاتے ہیں۔ پھر اسلام کے غلبہ اور قوت کے بعد اور لوگوں کے اسلام میں داخل ہوجانے کے بعد ان کے عجز وضعف، اضطراب وتقیہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان سے زیادہ کم زور اور بے بس ہستی نہ تھی، حالاں کہ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ بہ نسبت سابق کے زیادہ حق کے پیرو ہو گئے تھے۔ تو جو شخص دین محمدی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قائم کرنے میں اللہ کا شریک حال تھا، جس نے کفار کو مغلوب کیا،
وہ اسلام لانے کے بعد اپنی طاقت اس جماعت کو مغلوب کرنے میں
کیوں نہیں دکھاتا جنھوں نے اس پر زیادتی کی تھی، حالاں کہ وہ تعداد میں
بھی ان کفار سے کم تھے اور قوت وشوکت میں بھی کم زور تھے اور یہ مخالفین
بہر حال حق سے زیادہ قریب تھے۔''۲۶؎

(ب) عیسائیت کا رد

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے نہ صرف مسلمانوں کے اندر پیدا ہونے والے فرقوں کا رد کیا اور ان کے اعتراضات کے جوابات دیے، بلکہ اسلام پر ہونے والے خارجی حملوں کا بھی مقابلہ کیا۔ انھوں نے یہود ونصاریٰ کی طرف سے اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کا مدلل جواب دیا اور اسلام کا بھر پور دفاع کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے خصوصاً عیسائیت کا رد کیا اور ان کی طرف سے اسلام پر کیے جانے والے حملوں کا بھر پور مقابلہ کیا۔

عہدِ ابنِ تیمیہؒ میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ اسلامی ملکوں میں جن مذاہب وادیان نے مستعدی کا مظاہرہ کیا ان میں مسیحیت سرفہرست ہے، جس کے ماننے والوں کی بڑی تعداد اسلامی ممالک بالخصوص مصر وشام میں موجود تھی۔ شام سے متصل عیسائی ممالک کا سلسلہ تھا۔ عیسائی مبلغین اور علماء شام کو مسیحیت وصلیب کے سایہ میں لینا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے جب تاتاری دمشق میں داخل ہوئے تو عیسائیوں نے شہر سے نکل کر ان کا استقبال کیا اور ان کو تحائف دیے۔ تاتاریوں کے ساتھ مل کر عیسائیوں نے کافی قوت حاصل کر لی تھی۔ مسیحی پادری مسلمانوں سے اکثر مناظرہ کرتے رہتے تھے اور علماء اسلام ان کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے۔ علامہ ابنِ تیمیہؒ نے اِس موضوع کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ اس کا خاص سبب یہ تھا کہ عیسائیوں کی ایک نئی مناظرانہ تصنیف ملک شام میں پہنچی، جس میں عقلی ونقلی اعتبار سے مسیحیت کا اثبات کیا گیا تھا اور پوری قوت کے ساتھ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت عمومی نہیں تھی، بلکہ آپ صرف عربوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے اور عیسائی آپ پر ایمان لانے کے مکلف نہیں ہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے اس کتاب کے رد میں '**الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح**' تصنیف کی، جو چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے صرف اسلام کی مدافعت ہی نہیں کی، بلکہ مسیحیت کی بنیادوں پر حملے بھی کیے ہیں۔ اس کتاب میں مسیحیت کی تاریخ، مسیحی علم کلام اور مسیحی علماء کی موشگافیوں اور تاویلات کو بالتفصیل بیان کیا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارتوں، دلائل نبوت اور پیشین گوئیوں کا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ شیخ ابوزہرہؒ نے لکھا ہے:

> ''یہ کتاب تنہا ان کو باعمل علماء ومجاہد ائمہ اور لافانی مفکرین کا مرتبہ دلانے کے لیے کافی ہے۔''۲۷

(ج) نبوت محمدی پر عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے نبوت محمدی پر عیسائیوں کے اعتراضات کا نہ صرف جواب دیا، بلکہ آپؐ کی نبوت کے اعجاز کے مختلف پہلو واضح کیے اور دیگر انبیاء پر آپؐ کی فضیلت بیان کی۔ فرماتے ہیں:

> ''رسول اکرم ﷺ کی نبوت کی تکذیب سے تمام نبوتوں کی تکذیب لازم آتی ہے اور کسی ایک کا ثابت ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ دوسرے انبیاء کی نبوت کے ثبوت پر اصرار کرنا اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی فن کے علماء کی عظمت وامامت کا اقرار کیا جائے لیکن اس فن کے استاد الاساتذہ اور امام الائمہ کا انکار کیا جائے۔ ۲۸''

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے عیسائیوں کے اس دعوے کا مدلّل رد کیا کہ نبی کریم ﷺ صرف عرب کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور انھی سے ایمان کا مطالبہ کیا گیا تھا اور عیسائی آپ پر ایمان لانے کے مکلف نہیں ہیں۔ اس عقیدہ کی تردید میں آپ نے تفصیل سے بحث کی ہے۔۲۹ اس کے علاوہ اس کتاب میں آپ نے شریعت محمدی کے اعجاز،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معجزات ودلائل نبوت، تورات اور صحف سماوی سے آں حضرت ﷺ کی بشارتوں کو حوالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔۳۰؎

پانچواں اُصول: دین کی جامعیت پر زور

اصلاح وتجدید کے حوالے سے علامہ ابنِ تیمیہؒ کے منہج کا ایک بنیادی اُصول یہ تھا کہ دین کو ایک جامع ہدایت اور مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر پیش کیا جائے۔ بعض مصلحین صرف عبادات کی طرف توجہ دیتے ہیں، بعض صرف عقائد کی درستی کو ہدف بناتے ہیں اور بعض صرف معاشرتی پہلوؤں پر کام کرتے ہیں۔ یعنی عموماً مصلحین کے طرزِ عمل میں ایک چیز پر زور دیا جاتا ہے تو دوسری کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس آپ نے دین کے تمام پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا اور اسلام کو ایک جامع طرز زندگی کے طور پر پیش کیا۔ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو درج ذیل صلاحیتوں سے نوازا تھا:

(الف) رائج الوقت علوم وفنون میں مہارت

ابن تیمیہؒ نے ہر فن میں کمال حاصل کیا اور اپنے زمانے کے مروّجہ علوم میں اِس قدر مہارت حاصل کر لی تھی کہ کسی فن پر جب گفتگو کرتے تو سننے والا یہی سمجھتا کہ آپ اِس فن کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ جملہ علوم اِسلامیہ پر (جو اُن کے زمانے تک مدوّن ہو چکے تھے) اُن کی گہری اور وسیع نظر تھی۔ اُنھوں نے ان سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا، پھر اُن میں سے وہ عنصر لے لیا جو زیادہ قوی اور جان دار تھا اور جو اُن کے عہد کے لوگوں کے لیے اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے ایک قیمتی سرمایہ بن گیا۔ آپ نے صرف علومِ اسلامیہ کی تحصیل ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ دیگر علوم بھی حاصل کیے۔ چنانچہ ان کی کتاب '**الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح**' دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو اصل مسیحی دین اور اُن کے زمانے میں مروّجہ عیسائیت سے کتنی وسیع واقفیت تھی۔ اُنھوں نے علومِ شرعیہ میں اِس قدر مہارت حاصل کر لی تھی کہ فقہ کے میدان میں وہ 'فقیہ عصر' کہے جا سکتے ہیں۔ علمِ کلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے میدان میں وہ بڑے پایہ کے متکلم نظر آتے ہیں ۔آیات قرآنی کی تفسیر، اُصولِ تفسیر اور مناہجِ تفسیر کے سلسلے میں جو کچھ اُن کے قلم سے نکلا اُس نے اُنھیں چوٹی کے مفسرین کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اِن جملہ علوم میں اُن کے افکار و آراء کی گہرائی تحقیق وتفحص اور وسعت پر مبنی ہے۔

(ب) وسعتِ نظری

اگر علامہ ابنِ تیمیہؒ کی فقہی حیثیت پر نظر ڈالی جائے تو وہ مجتہدِ مطلق نظر آتے تھے۔ گو کہ ان کا پورا خاندان حنبلی تھا اور آپ کو بھی فقہ حنبلی کا علم ورثہ میں ملا تھا، لیکن اس کے باوجود آپ دوسرے فقہی مذاہب کے احکام و مسائل بھی اختیار کر لیتے تھے، جو کتاب وسنت اور فتاوائے صحابہ سے زیادہ قریب ہوتے تھے، بلکہ بعض ایسے نتائج تک بھی پہنچتے تھے جو ائمہ مذاہب اربعہ کے خلاف تھے، مثلاً حلف بالطلاق کی صورت میں طلاق واقع نہ ہونے کا فتویٰ، یا یہ فتویٰ کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق ہی شمار کی جائیں گی۔ ان مسائل میں اور ان جیسے دوسرے مسائل میں انھوں نے مذاہبِ اربعہ کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور کتاب وسنت اور اقوالِ صحابہ سے قریب تر جو بات نظر آئی اسے قبول کر لیا۔ ان کا منہج یہ تھا کہ کتاب وسنت کے مطابق جہاں سے بھی کوئی بات ملے اسے لے لینا چاہیے۔ اس سلسلے میں کسی کی تقلید کرنا درست نہیں، بلکہ جو موقف اقرب الی الکتاب والسنۃ معلوم ہو، اسے اپنانا ضروری ہے، لوگوں پر یہ واضح کیا کہ ہمارے تمام مسائل کا حل اسلام کی اتباع ہے۔ ہمیں عقائد، عبادات، معاملات، سیاست، معاشرت اور معاشیات، غرض ہر معاملے میں شریعتِ مطہرہ سے رہ نمائی حاصل کرنی چاہیے۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ اسلام تمام امور میں ہماری رہ نمائی کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے، اسی لیے آپ نے ہر موضوع پر قلم اُٹھایا اور اس موضوع کا حق ادا کر دیا۔ سیاسی حالات پر ان کی تصنیف '**السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی و الرعیۃ**' ایک لاجواب کتاب ہے۔ علم طبیعیات میں ان کا رسالہ '**رسالۃ فی العرش و العالم، ھل ھو کروی الشکل ام لا؟**' اچھی تصنیف ہے۔ کیمیا گری کی شرعی حیثیت کے بارے میں '**رسالۃ فی ابطال الکیمیاء و تحریمھا**' لکھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھٹا اُصول: دِین کے معاملے میں عدم مداہنت

علامہ ابنِ تیمیہؒ کے منہج اصلاح وتجدید کا ایک بنیادی اُصول عدم مداہنت اور عدم تساہل ہے۔ آپ نے اپنے اصلاحی وتجدیدی کام کو ایک غیرت مند مسلمان کی حیثیت سے سرانجام دیا۔ آپ دینی معاملات میں تساہل سے کام لینے کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ اگر کوئی حدود اللہ کو پامال کرتا یا شرعی نصوص کی غلط تاویل وتشریح کرتا تو آپ پوری مستعدی سے اس کا رد کرتے۔ جب لوگوں کو دیکھتے کہ وہ شعائر اللہ کا مذاق اُڑاتے ہیں یا روحانیت اور بزرگوں کی تقدیس کے نام پر غیر شرعی امور کو دین کا درجہ دے رہے ہیں تو آپ کی رگِ حمیت پھڑک اٹھتی اور آپ شریعت کی بالادستی کے لیے کمربستہ ہو جاتے۔ اس سلسلے میں آپ کو بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ آپ نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، لوگوں کے طعن و تشنیع کا سامنا کیا، لیکن آپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی اور آپ '**لا یخافون لومۃ لائم**' کی تصویر مجسم بن کر میدان میں کھڑے رہے۔ آپ نے توہین رسالت کرنے والے کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ صادر کیا، رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے والے کے خلاف لوگوں کو جمع کیا اور خود مقدمہ لے کر امیر کے پاس گئے۔ اس سلسلہ میں ایک شاہ کار کتاب '**الصارم المسلول علی شاتم الرسول**' تصنیف کی، جو اس موضوع پر ایک مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اُصول بھی آپ کی پوری زندگی میں کارفرما نظر آتا ہے۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

(الف) عملی جہاد

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے نہ صرف قلم سے اسلام کا دفاع کیا، بلکہ تلوار سے بھی جہاد کیا۔ آپ کا موقف تھا کہ جب اسلام کو کسی بھی طرح کی قربانی کی ضرورت پڑے تو مسلمان کے لیے لازم ہے کہ اپنے آپ کو پیش کر دے۔ اس سلسلے میں انھوں نے تارتاریوں، مفسدوں اور شراب کے خلاف جہاد کیا۔

۷۰۲ھ میں تاتاری لشکر دمشق پہنچا، اس عزم کے ساتھ کہ فتح کر کے دم لیں گے۔ انھیں دیکھتے ہی دمشق کے لوگوں کی جان پر بن گئی، لیکن مصر و شام کی متحدہ فوجیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طوفان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا تہیہ کر چکی تھیں۔ افواہ بازوں نے عوام کے دلوں میں دہشت اور سراسیمگی اور شکست خوردہ ذہنیت پیدا کرنے کی پوری کوشش کی، لیکن علما و قضاۃ اور حکام و عمال یہ طے کر چکے تھے کہ اس مرتبہ دشمن کو منہ توڑ جواب دیا جائے گا اور ہم میں سے کوئی بھی کسی حالت میں دمشق نہیں چھوڑے گا۔ ابن تیمیہؒ بھی لوگوں کا حوصلہ بلند رکھنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ تائید ایزدی اور نصرت الٰہی پر آپ کو اس درجہ بھروسا تھا کہ قسم کھا کر لوگوں کو یقین دلاتے تھے کہ فتح و کامیابی تمھارے ہی حصہ میں آئے گی اور دشمن منہ کی کھائے گا۔ لوگ کہتے: ان شاءاللہ تو کہہ لیں، آپ جواب دیتے: **ان شاءاللہ تحقیقاً لا تعلیقاً۔** [۱۳] میری قسم ایک ٹھوس حقیقت ہے۔

یہ حالات دیکھ کر شکست خوردہ ذہنیت رکھنے والے افواہ بازوں نے ایک دوسرا شوشہ چھوڑا۔ اس بار انہوں نے دین کا لبادہ اوڑھ کر مسئلے کی آڑ لی اور کہا: ''تاتاری ہیں تو مسلمان ہی، ہم ان سے کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں؟ کیا مسلمانوں کا مسلمانوں سے مقابلہ جائز ہے؟'' اس موقع پر علامہ ابن تیمیہؒ آگے بڑھے اور انھوں نے اس قضیہ کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا:

> ''یہ تاتاری جو خود کو مسلمان کہتے ہیں، ان کی مثال خوارج کی سی ہے جنھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے خلاف خروج کیا تھا اور اپنے آپ کو ان دونوں سے بہتر اور برتر سمجھتے تھے۔ یہی حال ان تاتاریوں کا ہے۔ ان کا زعم اپنے بارے میں یہ ہے کہ اقامتِ حق کا فریضہ وہ مسلمانوں سے بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں پر عیب لگاتے ہیں کہ وہ ظلم و معاصی میں مبتلا ہیں۔ یہ بات اگر سچ بھی ہے تو اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ خود مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ ظلم و معاصی کے خوگر ہیں۔'' پھر فرمایا: ''لوگو! یاد رکھو۔ اگر تم مجھے تاتاریوں کا ہم دوش دیکھو اس حالت میں کہ قرآن کریم میرے سر پر رکھا ہو تو بھی بلا تامل مجھے قتل کر دینا۔'' [۳۲]

جب دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی تو بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ اس موقع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر جو شخص سب سے زیادہ مطمئن اور بے پروا نظر آ رہا تھا وہ ابن تیمیہؒ تھے۔ موت سامنے کھڑی تھی اور وہ میدان جنگ میں ڈٹے ہوئے تھے اور اپنے جوش جہاد سے لوگوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ میدان جنگ میں پہنچنے سے پہلے وہ سلطانِ مصر کے دربار میں حاضر ہوئے، اسے جہاد پر اکسایا، سپاہ مصر کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی تلقین کی۔ اس لیے کہ انھیں یہ اطلاع ملی تھی کہ سلطان جنگ میں حصہ لیے بغیر واپس چلے جانے کا ارادہ کر رہا ہے۔ سلطان نے ان کی باتیں توجہ سے سنیں۔ آخر کار تاتاری میدان سے بھاگے اور مسلمانوں نے فتح پائی۔

تاتاریوں کے خلاف جہاد سے فارغ ہو کر ابنِ تیمیہؒ نے ان مفسدوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا جو کبھی دشمن سے ساز باز کرتے تو کبھی خود مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے تھے۔ آپ نے بارہا ان مفسدین کو تنبیہ کی، لیکن وہ باز نہ آئے۔ چنانچہ ابن تیمیہؒ اپنے تلامذہ واحباب کی ایک جماعت کی رفاقت اور نقیب الاشراف زین الدین بن عدنان کی معیت میں دوبارہ جرد وکسران کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو تبلیغ کی۔ چنانچہ ان کی ایک بڑی تعداد تائب ہوئی اور اس نے احکام اسلام کی پابندی اختیار کی۔

جرد کے علاقہ کے روافض (باطنی، اسماعیلی، حاکمی اور نصیری) قبائل نے کھلم کھلا مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تھا، صلیبیوں اور تاتاریوں کو مسلمان ممالک پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی اور ان کو سہولتیں بہم پہنچائی تھیں، مسلمانوں کی بے بسی اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان کی جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازیاں کی تھیں اور ان کو دشمنوں کے ہاتھوں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کیا تھا۔ ابن تیمیہؒ کے غیور اور باحمیت دل پر اس کا بڑا اثر تھا۔ وہ ان دنی الفطرت اور شریر النفس منافقوں کو معاف نہیں کر سکتے تھے، جنھوں نے ایسی کٹھن گھڑی اور نازک وقت میں مسلمانوں کو تنگ اور ذلیل کیا اور ان کے حریفوں کی مدد کی تھی۔ انہوں نے ان کو ان جرائم اور اس غداری کی پوری پوری سزا دینی چاہی اور اس کا انتظام کرنا چاہا کہ آئندہ کسی جنگ یا خطرہ کے موقع پر وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ چنانچہ انھوں نے سلطان الناصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(سلطانِ مصر وشام) کو ان کی طرف توجہ دلائی اور ان کی شرارتوں اور خطرات سے آگاہ کیا۔ ایک خط میں انھوں نے سلطان کو لکھا:

"جب تاتاریوں نے شام کا رخ کیا تو ان بدباطنوں (نصیریوں اور اسماعیلیوں) نے اسلامی افواج کے ساتھ بڑی بدسلوکیاں کیں۔ یہ وہی ہیں جنھوں نے اہل قبرص (عیسائیوں) کو پیغام بھیجا اور ساحل شام کے ایک حصہ پر ان کو قبضہ دلایا اور صلیب کا جھنڈا خود اٹھا کر چلے اور مسلمانوں کے گھوڑوں، ہتھیاروں اور قیدیوں کی اتنی تعداد انھوں نے برائے فروخت قبرص پہنچائی جس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ بیس دن تک بازار لگا رہا، جس میں مسلمان اور گھوڑے اور ہتھیار اہل قبرص کے ہاتھ (جو صلیبی اور مسلمانوں کے حریف تھے) بکتے رہے۔ تاتاریوں کی آمد پر انھوں نے گھی کے چراغ جلائے، لیکن جب تاتاریوں سے مقابلے کے لیے اسلامی فوجیں مصر سے روانہ ہوئیں تو ان کے چہرے فق ہو گئے۔ پھر جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے سلطان کی آمد پر مسلمانوں کو فتح مبین عطا کی تو ان کے یہاں صفِ ماتم بچھ گئی۔ یہ اور اس سے بڑھ کر بہت کچھ ان کے ہاں پیش آیا۔ یہی چنگیز خان کو اسلامی ممالک پر حملہ کرنے کی دعوت دینے والے تھے۔ یہی ہلاکو کے بغداد پر تسلط، حلب کی بربادی اور صالحیہ کی غارت گری کا سبب تھے۔ اس کے علاوہ ان کی اسلام دشمنی اور مسلم کشی کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں۔ ان کے پڑوس میں جو مسلمان رہتے ہیں، وہ بڑی مصیبت میں مبتلا تھے۔ ہر رات ان کی ٹولی پہاڑ سے اترتی اور وہ فساد برپا کرتی جس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ ڈاکے ڈالتے، پرامن شریف گھرانوں کو پریشان کرتے اور جرائم کا ارتکاب کرتے۔ قبرص کے عیسائی ان کے علاقہ میں آتے تو ان کی میزبانی کرتے اور مسلمانوں کے ہتھیار ان کے حوالے کر دیتے۔ جو نیک اور صالح مسلمان ان کو ملتا یا تو اس کو قتل کر ڈالتے یا اس کا سب کچھ لوٹ لیتے۔ شاذ ونادر ہی کوئی ان سے بچ کر نکلتا۔"۳۳؎

۴۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ ابنِ تیمیہؒ ۲ محرم ۷۰۵ھ کو ایک مہم کے ساتھ ان مفسدین وملحدین کے خلاف جہاد کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کے پیچھے نائب السلطنت ایک لشکر کے ساتھ دمشق سے روانہ ہوا اور جرد کے علاقہ اور روافض وتیامنہ کے پہاڑوں پر چڑھائی کی۔ سرکش قبائل کی اچھی طرح سرکوبی کی گئی اور پورے علاقہ کو، جو بہت دشوار گزار تھا، صاف کر دیا گیا۔ ابن تیمیہؒ نے فتویٰ دیا کہ بنوالنضیر کی طرح ان کے باغات کے درخت کاٹنا درست ہے، اس لیے کہ یہ اس میں کمین گاہ بناتے ہیں اور یہ ان کے فوجی اڈے اور سازش کی جگہیں ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ ''شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی موجودگی اور شرکت سے بڑی خیر حاصل ہوئی اور اس موقع پر ان کے علم وشجاعت کا بڑا ظہور ہوا۔ اسی کے ساتھ ان کے دشمنوں کے دل حسد اور غم سے لبریز ہو گیے''۔ ۳۴؎

ابن تیمیہؒ نے تمام غیر اسلامی وغیر شرعی بدعنوانیوں کے خلاف جد وجہد کی۔ شام کے نائب السلطنت سیف الدین نے شراب خانوں کی خاص سرپرستی کی تھی اور وہ اس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تھے۔ اس کے مختصر دور حکومت میں متعدد نئے شراب خانے قائم ہوئے۔ اب ان کے باقی رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ دمشق میں کوئی حاکم اور ذمہ دار افسر نہ تھا۔ ابن تیمیہؒ نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ انہوں نے اپنے تلامذہ اور احباب کے ساتھ پورے شہر کا دورہ کیا۔ جہاں بھی انہیں شراب خانہ نظر آیا، اس کے مٹکے اور جام توڑ ڈالے، شراب انڈیل دی اور ان مے خانوں میں جو اوباش مقیم تھے اور افعال شنیعہ کے مرتکب ہو رہے تھے ان کی تعزیر کی۔ شہر میں عام طور پر اس کارروائی پر مسرت کا اظہار کیا گیا۔ ۳۵؎

الغرض علامہ ابن تیمیہؒ دین کے معاملے میں کسی بھی قسم کی مصالحت اور مداہنت کے قائل نہیں تھے، البتہ شریعت کی حدود کے اندر رہ کر اور ولاء وبراء کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے تمام مسلمانوں سے خیر خواہی اور حسن اخلاق کے علم بردار تھے، جس کی واضح مثال آپ کا اپنے مخالف علماء کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ آپ نے قدرت کے باوجود اپنے مخالفین سے کبھی بدلہ نہیں لیا، کیوں کہ آپ کی مخالفت صرف دین کے لیے تھی۔ انہوں نے کبھی ذاتی اغراض ومقاصد اور ہوائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نفس کی پیروی کرتے ہوئے کسی کی مخالفت نہیں کی۔

(ب) حریتِ فکر کی دعوت

علامہ ابن تیمیہؒ دینی معاملات میں غیرت وحمیت کے باوجود فقہی معاملات میں تعصب اور تنازعہ کے قائل نہیں تھے، بلکہ توسع اور تنوع کے داعی تھے۔ آپ نے علماء کے احترام کی روش ڈالی اور جو لوگ فقہاء کرام خصوصاً ائمہ اربعہ کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے تھے ان کا رد کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے '**رفع الملام عن الأئمة الأعلام**' تصنیف کی۔ اس کتاب میں آپ نے ان ائمہ کرام کی طرف سے صفائی پیش کی ہے جن کے اقوال سنتِ صحیحہ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں اور اتنے قوی دلائل دیے ہیں کہ پڑھنے والا انھیں خطا کار نہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''مسلمانوں پر اللہ اور رسول کے بعد مومنین سے محبت وتعلقِ خاطر واجب ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے، خاص طور پر علماء سے محبت وموالات تو اور زیادہ ضروری ہے کہ وہ ورثۃ الانبیاء ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے رہ نما ستاروں کی طرح بنایا ہے، جو خشکی اور تری میں راستہ دکھاتے ہیں۔ مسلمان ان کی ہدایت اور درایت پر متفق ہیں۔ کیوں کہ آں حضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے دوسری قوموں کے علماء اشرار تھے۔ یہ خصوصیت ملت اسلامیہ ہی کو حاصل ہے کہ اس کے علماء خیر امت ہیں۔ یہ لوگ خلفائے رسول ہیں، سنت کا احیا کرنے والے ہیں، انہی کے دم سے کلام الٰہی کا چرچا ہے، قرآن ہی سے ان کا قیام ہے۔ یہ اس کے ترجمان ہیں، وہ ان کا ترجمان ہے۔ جاننا چاہیے کہ امت کے ائمہ مقبولین میں سے کوئی امام ایسا نہیں ہے جو جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کی چھوٹی یا بڑی سنت کی مخالفت کرے۔ ان تمام ائمہ کا اتباعِ رسول کے وجوب پر کامل اتفاق ہے۔ اس پر بھی یہ متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر ایک کا قول ترک کیا جا سکتا ہے۔ ائمہ مقبولین میں سے اگر کسی کا کوئی قول حدیث صحیح کے خلاف پایا جائے تو اس کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں: (۱) یہ خیال کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہے۔ (۲) یہ اعتقاد کہ مسئلہ زیر بحث کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (۳) یہ اعتقاد کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔''۳۶؎

علامہ ابنِ تیمیہؒ دوسرے اہلِ علم کی قدر کرتے تھے ،خواہ وہ ان کی رائے سے مخالف رائے کیوں نہ رکھتے ہوں۔ وہ اپنے مخالف پر لعن طعن نہیں کرتے تھے، نہ اسے جھوٹا قرار دیتے، نہ اس پر بہتان لگاتے، بلکہ اس کی طرف سے صفائی دیتے تھے۔ وسیع القلب عالم کی یہی شان ہوتی ہے،لیکن جو لوگ دین کی بنیادیں ڈھانے کی کوششوں میں مصروف تھے، نئے نئے عقائد ومسائل اسلام میں پیدا کرکے مسلمانوں کو مغالطوں میں مبتلا کرنا ان کا شیوہ تھا۔ ظاہر میں وہ مسلمان تھے،لیکن ان کے اندر کفر تھا، ایسے لوگوں پر غیرت دینی کے تقاضے سے وہ بہت کڑھتے تھے۔

ساتواں اُصول: فائدہ مند طبعی علوم سے اِستفادہ

اصلاح وتجدید کا مطلب یہ نہیں کہ ہر چیز کو تبدیل کر دیا جائے، یا ہر چیز کا رد کیا جائے اور سابقہ علمی کاوشوں کو کلیتًا کالعدم قرار دے دیا جائے۔ علامہ ابنِ تیمیہؒ اس چیز سے بہ خوبی آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جہاں یونانی فلسفہ اور منطق کا بھرپور رد کیا ہے وہیں طبعیات اور ریاضی جیسے یونانی علوم کی تحسین کی ہے، یعنی انہوں نے مروجہ علوم میں سے صرف ان علوم کا رد کیا ہے جو خلاف شریعت نتائج پیدا کرتے ہیں، باقی علوم کی تحسین کی ہے اور ان سے استفادہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے درج ذیل امور کا اہتمام کیا:

(الف) طبعیات اور ریاضیات کا اعتراف

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے طبعیات وریاضیات کے بہت سے مسائل کی صحت ومعقولیت کا اقرار اور اس بارے میں علمائے یونان کی ذہانت کا اعتراف کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''طبعیات میں ان فلاسفہ کی جو گفتگو اور بحث ہے، اس کا اکثر حصہ بہتر ہے اور اُن کا کلام خاصا وسیع اور مفصل ہے۔ ان باتوں کو جاننے اور سمجھنے کے لیے وہ اچھا دماغ رکھتے تھے، بہت سے مباحث میں وہ حق کے جویا اور طالب نظر آتے ہیں اور ضد اور زبردستی سے کام نہیں لیتے۔''۳۷؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح علم حساب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ریاضی کے یہ مسائل، جن سے اہلِ حساب بحث کرتے ہیں، ایسے معقول مسائل ہیں جن پر تمام اہل عقول کا اتفاق ہے اور ہر شخص اس سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہے، اس لیے کہ وہ علم اور عمل دونوں کے لیے ضروری ہے۔ اس سے کس کو اختلاف ہوسکتا ہے کہ ایک کا عدد، دو کا نصف ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے سب قضایا کلّی اور واجب القبول ہیں، ان پر کوئی نقض وارد نہیں ہوسکتا۔'' ۳۷؎

(ب) منطق کی حیثیت کی وضاحت

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے منطق کو بالکل غلط اور ناجائز قرار نہیں دیا، بلکہ وہ اس کی اس حیثیت کا انکار کرتے ہیں جو اس دور میں مسلمانوں نے اس کو دے رکھی تھی۔ ان کے عہد میں عام خیال یہ تھا کہ منطق کے بغیر انسان حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اور یہی میزانِ عقل ہے۔ آپ نے اس بات کا رد کیا اور واضح کیا کہ علوم شرعیہ کی تفہیم کے لیے منطق ضروری نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''یہ لوگ کہتے ہیں کہ منطق علومِ عقلیہ کی میزان ہے اور اس کی رعایت و پابندی ذہن کو فکری غلطی سے بچا لیتی ہے، جیسے فن عروض شعر کے لیے، صرف ونحو عربی کے مرکب ومفرد الفاظ کے لیے اور آلات ہیئت اوقات کے لیے میزان کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، اس لیے کہ عقلی علوم ان اسباب ادراک کے ذریعہ حاصل کیے جاسکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی فطرت میں ودیعت کیے ہیں۔ ان کا کسی شخص معیّن کے وضع کیے ہوئے میزان پر انحصار نہیں۔ جس طرح عربیت میں تقلید کے بغیر چارہ نہیں، اس لیے کہ وہ ایک قوم کی عادت ہے جو صرف سماع سے معلوم کی جاسکتی ہے اور اس کے قوانین کا ذریعہ علم صرف استقراء ہے، اسی طرح عقلیات میں تقلید نہیں چلتی۔ کیل، وزن، عدد وشمار اور زراعت وغیرہ میں پیمانوں وغیرہ کی ضرورت

۱۷؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ منطقِ یونانی کی وضع و ایجاد سے پہلے بھی دنیا کی قومیں حقایقِ اشیاء کو جانتی تھیں اور اس کے بعد بھی اکثر قومیں منطق کی مدد کے بغیر حقائق اشیاء کو جانتی سمجھتی ہیں اور تمام دنیا کی قوموں کے اکثر عقلاء ارسطو کے یہ اُصول وقواعد سیکھے بغیر حقائق کو سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ بھی اگر اپنی حالت پر غور کریں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ ان کے نفوس کو اس وضعی فن کے بغیر حقائق کا علم حاصل ہوتا ہے۔'' ۳۹ے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابنِ تیمیہؒ کے نزدیک منطق علوم عقلیہ کی میزان نہیں۔ اِس لحاظ سے تاریخ اسلامی میں وہ پہلے شخص ہیں جس نے اِس کو مستقل موضوع بنایا اور اس پر آزادانہ ومجتہدانہ گفتگو اور تنقید کی۔ اِس موضوع پر اُن کی دو کتب ہیں: ایک مختصر کتاب '**نقض المنطق**' کے نام سے ہے اور دوسری مفصل کتاب '**الرد علی المنطقیین**' ہے۔ اِن کتب میں اُنھوں نے ثابت کیا ہے کہ علمائے اسلام نے اس فن کو جتنی اہمیت دی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

(ج) منطق کے فوائد کا اقرار

علامہ ابنِ تیمیہؒ منطق کا بالکلیہ رد نہیں کرتے، بلکہ اس کے کچھ فوائد کا اقرار بھی کرتے ہیں، جیسا کہ اُنہوں نے وضاحت کی ہے:

''یہ بات بھی ہے کہ علوم دقیقہ میں غور ومطالعہ سے ذہن کھلتا ہے اور اس کی مشق ہوتی ہے اور علم کی طاقت حاصل ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے تیراندازی اور شہ سواری کی مشق سے نشانہ ٹھیک ہوتا ہے اور گھوڑے کی سواری آسان ہوجاتی ہے۔ چنانچہ لوگ جنگ سے پہلے ان چیزوں کی مشق کرتے ہیں۔ یہ ایک اچھا مقصد ہے۔'' ۴۰ے

اس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ ابنِ تیمیہؒ نے اصلاح وتجدید کے کام میں '**خذ ما صفا ودع ما کدر**' کی روش کو اپنایا ہے۔ اُنہوں نے ہر چیز کو تختۂ مشق نہیں بنایا اور نہ ہر فن کا انکار کیا ہے، بلکہ علوم وفنون میں سے جو چیزیں غلط اور خلافِ شریعت تھیں ان کا ابطال کیا ہے اور مختلف علوم میں جو چیزیں فائدہ مند تھیں ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحسین کی ہے۔ ان کا موقف تھا کہ منطق کے بارے میں غلو سے کام نہیں لینا چاہیے اوراس کو تسلیم کرنے کے لیے حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے نزدیک اگر منطق کو ایک میزان وترازو کا درجہ دیا جائے تو اس ترازو کا دائرہ عمل بہرحال محدود رہے گا۔ اس پر حقائق دینیہ کو تولنا ایسا ہی ہے جیسے لکڑی ،سیسہ اور پتھر تولنے والے ترازو سے سونے، چاندی اور جواہرات کو تولا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اتنی بات مسلّم ہے کہ لکڑی ،سیسہ اور پتھر تولنے کے لیے جو ترازو بنائے گئے ہیں ، ان پر سونے چاندی کو نہیں تولا جا سکتا۔ نبوت کا معاملہ اور انبیاء کرام جن حقائق کو لے کر آئے ہیں ، وہ علوم اس سے کہیں زیادہ ارفع اور نازک ہیں ۔ تمہاری منطق اس کے لیے کوئی میزان نہیں بن سکتی، اس لیے کہ اس میزان میں جہل وظلم دونوں جمع ہیں۔ یا تو وہ ان کے وزن ودرجہ سے واقف نہیں اوران کو وزن کرنے اوران کی حیثیت بیان کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں، اس لیے جاہل ہے، یا وہ حق کا انکار کرتی ہے اوراس کو قبول نہیں کرتی ، اس لیے ظالم ہے، حالاں کہ وہ حق ہے،جس کا طبائع انسانی کے پاس کوئی بدل نہیں اور نہ ان علوم سے کسی کو استغنا ہے اوراسی پر بنی نوع کی سعادت منحصر ہے۔''[۱۴۱]

آپ نے ابن عربی کے نظریۂ وحدۃ الوجود کا بڑی شدت سے رد کیا ،لیکن اس کے فلسفہ کی اچھی باتوں کی بھی نشان دہی فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''ابنِ عربی کا نظریۂ وحدت الوجود تو کفر ہے ،لیکن وہ خود دوسرے متصوفین کے مقابلے میں اسلام سے زیادہ قریب ہیں۔ اس لیے کہ ان کے کلام میں اچھی باتیں بھی ہیں اور اس لیے بھی کہ وہ دوسرے اتحادیین کی طرح اس پر مضبوطی سے قائم نہیں، بلکہ خیالات کے وسیع جنگل میں سرگرداں اورحیران ہیں، جن میں حق بھی ہے اور باطل بھی۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اُن کا خاتمہ کس حالت پر ہوا۔''[۱۴۲]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاصۂ بحث:

یہی وہ اُصول ہیں جن پر علامہ ابنِ تیمیہؒ کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے مبنی ہیں۔ اگر اس منہج کا بہ غور جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ اعتدال پر مبنی ہے۔ آپ نے ہر معاملے میں افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا۔ لوگ وحی اور عقل کی حدود کے بارے میں افراط وتفریط کا شکار تھے۔ آپ نے ان کے سلسلے میں ایک معتدل نقطہ نظر پیش کیا۔ اسی طرح آپ نے اجتہاد اور تقلید کے درمیان اعتدال کو قائم رکھا۔ مختلف علوم وفنون سے استفادہ کرنے میں بھی آپ نے اعتدال کا مظاہرہ کیا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ کا منہج اعتدال کا منہج ہے اور اعتدال آپ کے منہج کی اہم ترین خوبی ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ ابن تیمیة، أحمد بن عبدالحلیم، مجموع الفتاویٰ، دارالوفاءِ، الطبعة الثالثة ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۵، ۱۳/ ۱۳۵؛ ابن تیمیه، أحمد بن عبدالحلیم، رسالة الفرقان بین الحق والباطل، ص ۶۴

۲۔ حوالہ سابق، ص ٦٦

۳۔ ابن تیمیة، أحمد بن عبدالحلیم، درء تعارض العقل والنقل، مکتبة ابن تیمیة، المملکة العربیة السعودیة، الطبعة الاولیٰ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ھ، ۱/ ۸۸

۴۔ عبدالعظیم، سعید، الدکتور، منهج شیخ الإسلام ابن تیمیه، دار الإیمان اسکندریه، ص ۴۲۔ ۴۳

۵۔ ابن تیمیه، أحمد بن عبدالحلیم، رسالة معارج الوصول، دار ابن تیمیه، بیروت، لبنان، ۱۴۰۸ھ، ص ۵

٦۔ ابن تیمیه، أحمد بن عبدالحلیم، تفسیر سورة الاخلاص، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، الطبعة الثانیة، ۱۴۱٦ھ، ص ۵۷

۷۔ ابن تیمیه، أحمد بن عبدالحلیم، الرد علی المنطقیین، المطبعة القیمه، بمبئی، ۱۳٦۸ھ/ ۱۹۴۹م، ص ۳۹۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۔ ابن تیمیہ، أحمد بن عبدالحلیم، کتاب النبوات ، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ ، مصر، الطبعۃالاولیٰ،۱۳۴۶ھ،ص ۱۴۸

۹۔ کتاب النبوات،ص ۲۴۰

۱۰۔ الردعلی المنطقیین،ص ۳۲۱

۱۱۔ درء تعارض العقل والنقل،۱/ ۱۳۳

۱۲۔ حوالہ سابق،۱/ ۱۴۸

۱۳۔ ابن تیمیۃ، أحمد بن عبدالحلیم، الفتاوی الکبری ، دارالکتب العلمیۃ،بیروت، لبنان،۲/۲۰۱۔۲۰۲

۱۴۔ الفتاوی الکبریٰ، ۲/ ۳۸۶

۱۵۔ حوالہ سابق ۲/ ۳۸۴

۱۶۔ حوالہ سابق ، ۲/ ۳۸۷

۱۷۔ حوالہ سابق، ۲/ ۳۷۶

۱۸۔ حوالہ سابق ، ۲/ ۳۸۴

۱۹۔ حوالہ سابق ۲/ ۳۸۵

۲۰۔ ابن تیمیہ، أحمد بن عبدالحلیم، الرد علی البکری، مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، المدینۃ المنورۃ، الطبعۃالاولیٰ ۱۴۱۷ھ، ۲/ ۳۱۷

۲۱۔مجموع الفتاویٰ، ۱/ ۱۲۶

۲۲۔ ابن تیمیہ، أحمد بن عبدالحلیم، الرد علی الاخنائی واستحباب زیارۃ خیر البریۃ، المطبعۃالسلفیۃ، القاھرۃ، مصر ۱۳۴۶ھ،ص ۶۶

۲۳۔ ابوزہرہ مصری، شیخ،حیاتِ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، اُردوترجمہ: رئیس احمدجعفری ندوی ،المکتبۃ السلفیۃ، لاہور،طبع دوم،مئی ۱۹۷۱ء ص ۶۷

۲۴۔ حوالہ سابق،ص ۳۱۹

۲۵۔ ابن تیمیہ،أحمد بن عبدالحلیم : منھاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ، الطبعۃالاولیٰ، المطبعۃالکبری الامیریۃ،بولاق،مصر ۱۳۲۱ھ، ۳/ ۲۲۲

۲۶۔ حوالۂ سابق ۴/ ۵۶

۲۷۔ ابوزہرہ مصری،شیخ ،ابن تیمیہ حیاتہ وعصرہ آراؤہ وفقھہ، دارالفکر العربی، القاھرۃ، مصر ص ۴۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن تیمیة، أحمد بن عبدالحلیم، الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح، دار الفضیلة، الریاض، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۴ء، ۲/ ۲۸۴

۲۹۔ ملاحظہ ہو الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، ۲/ ۲۸۔۲۳۰

۳۰۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ندوی، ابوالحسن علی، سید: تاریخ دعوت وعزیمت مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲/ ۲۶۰۔ ۲۸۴

۳۱۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر: البدایة والنهایة، دار الکتب العلمیة، الطبعة الثالثة، ۱۴۰۶ھ: ۱۴/ ۲۳

۳۲۔ حوالہ سابق: ۱۴/ ۲۵

۳۳۔ عبدالهادی، محمد بن أحمد: العقود الدریة من مناقب الشیخ الاسلام أحمد ابن تیمیة، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۳۵۶/ ۱۹۳۸ء، ص ۲۰۱

۳۴۔ البدایۃ والنہایۃ ۱۴/ ۳۵

۳۵۔ حوالہ سابق، ۱۴/ ۳۷

۳۶۔ ابن تیمیة، أحمد بن عبدالحلیم، رفع الملام عن الأئمة الاعلام، المکتبة العصریة، بیروت، لبنان، ص ۹۔۱۰

۳۷۔ الرد علی المنطقیین، ص ۱۴۳

۳۸۔ حوالہ سابق، ص ۱۳۴

۳۹۔ حوالۂ سابق، ص ۲۶۔۲۸

۴۰۔ حوالہ سابق، ص ۲۵۵

۴۱۔ نقض المنطق، ص ۶

۴۲۔ ابن تیمیة، أحمد بن عبدالحلیم، رسالة حقیقة مذهب الاتحادیین بین القائلین بوحدة الوجود، مکتبة دار ابن تیمیة، بیروت، لبنان، ۱۴۰۶ھ، ص ۴

☆☆☆

© rasailojaraid.com